ڈاکٹر محمد ساجد خان

استاد

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

سرسیّد کی شخصیت کی تشکیل: اثرات و محرکات
(''حیاتِ جاوید'' کے تناظر میں)

ABSTRACT

Impact of different personalities on Sir Syed's personality: as seen in the perspective of 'Hayat-e-Javed'.
By Dr. Muhammad Sajid Khan, Asst. Prof., Department of Urdu, University of Karachi.

Hayat-e-Javed' is a detailed biography of Sir Syed AHmed Khan, written by Altaf Hussain Hali. This book, written in 1881, describes Sir Syed's life with minute details and when Sir Syed's life and his personality is seen against the backdrop of this book, many important aspects come very evident and the reader is able to discern the impacts of different personlities that helped shape and mould Sir Syed;s own personality. This paper traces and analyses the impact of different religious, political, educational, literary and ancestral personalities that greatly influenced Sir Syed in different ways as mentioned, directly or indirectly, in Halis' book 'Hayat-e-Javed'.

اردو ادب کی اصناف پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر اصناف دیگر زبانوں کے ادب سے اردو میں آئیں اور بیشتر اصناف اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس قدر ملی جلی معلوم ہوتی ہیں کہ ادب کے طالبعلموں کو اصناف کے مابین فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے مگر بعض باریک فرق سے یہ اصناف ایک دوسرے سے الگ کی جاسکتی ہیں اگر خصوصی طور پر اردو ادب کی نثری انصاف کا جائزہ لیا جائے تو تذکرے، سوانح عمریاں، خاکے یا افسانوی ادب میں ناول، ڈرامہ، داستان، افسانے وہ سب اصناف ہیں جنھیں الگ الگ افسانوی اور غیر افسانوی ادب میں تقسیم کر بھی دیا جائے تو ایک صنف کا دوسری صنف سے ٹکراؤ نظر آتا ہے ابتدا میں تذکروں میں بھی خاکوں کے بعض نقوش مل جاتے ہیں جنھیں مختلف ادوار میں محققین نے سوانح عمری اور بعض نے خاکوں کے ابتدائی نقوش قرار دیئے ہیں۔ اردو تذکروں میں بھی یہ روایت عربی اور دیگر زبانوں سے آئی۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

عربی ادب میں (جہاں تک میں نے دیکھا ہے) جماعتی مرقع نگاری کا ذوق غالب

> رہا اور ان جماعتوں میں بادشاہوں سے کہیں زیادہ معاشرت کے عام طبقات کے مرقعے زیادہ ملتے ہیں ادیبوں، عالموں، منشیوں، ظریفوں، بخیلوں، اندھوں، بہروں کے علاوہ مجاہلین اور مبلغین تک کے مرقع کتابوں میں محفوظ ہیں۔ (۱)

یہاں زیر بحث اصناف سوانح عمری یا خاکہ ہیں اس لیے ان اصناف کو الگ الگ اختصار سے پیش کرنے کے ساتھ ان کے مابین رابطہ کو ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔سوانح عمری ایک ایسی صنف کو کہا جاتا ہے جس میں سوانح نگار موضوع بنے والی شخصیت کی پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام احوال کو اس طرح مفصل انداز سے پیش کرتا ہے کہ اس میں انتخاب واقعات، حادثات، غیر جانبداری، صداقت کو محفوظ رکھتے ہوئے شخصیت کو مکمل انداز سے ایک ارتقاء کو پیش کرے جبکہ خاکے میں خاکہ نگار صاحب خاکہ کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں سے متعلق واقعات و کارنامے مجتمع کر کے پیش کرتا ہے اور اس بات کا خیال بھی رکھتا ہے کہ صاحب خاکہ کا حلیہ، چہرہ، مہرہ، عادات مشاغل اور کردار کو بھی پیش کرنے میں سعی کرے۔مذکورہ تعریفوں کو دیکھتے ہوئے زیر بحث موضوع سوانح عمری میں خاکہ نگاری کو کس طرح دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے اور یہ کہ آیا کوئی سوانح عمری اپنے اندر خاکوں کا کس قدر سرمایہ رکھتی ہے اس میں محققین کی بیشتر آراء بھی مل جاتی ہیں۔ انیسویں صدی کے ربع آخر میں اردو ادب میں باقاعدہ سوانح عمری کا آغاز ہوا یوں تو الطاف حسین حالی کی حیات سعدی جو ۱۸۸۱ء میں لکھی گئی پہلی سوانح عمری ہے۔لیکن حالی کے ساتھ ہی وہ جو دوسرے سوانح نگار بیک وقت اردو ادب کو نصیب ہوئے وہ مولانا شبلی نعمانی ہیں جن کی بیشتر سوانح عمریاں مذہبی اور تاریخی نوعیت کی ہیں جبکہ اس کے برخلاف الطاف حسین حالی نے ادبی شخصیات کو سوانح عمریوں کا موضوع بنایا۔اس ضمن میں بھی سید عبداللہ کی بات قابلِ توجہ ہے کہ:

> سوانح نگاری کے فن میں شبلی پر حالی کو ترجیح حاصل ہے جن کی سوانح عمریاں اصول،فن کے لحاظ سے شبلی سے بہتر ہیں۔ ان کی سوانح عمریاں بھی اگرچہ ناموروں کی سوانح عمریاں ہیں۔مگر ان کا مقصد اور نصب العین ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ حالی کی سوانح عمریوں میں ادبی تحریک زیادہ کارفرما ہے جب کہ شبلی کی سوانح عمریوں میں مقصدی تحریک کا عمل دخل زیادہ ہے۔ (۲)

''حیاتِ جاوید'' از الطاف حسین حالی کو پیش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ اردو کے اولین سوانح نگار مولانا الطاف حسین حالی کے قلم سے نکلی ہوئی سوانح عمری ہے یہ سوانح عمری ایک ایسے وقت میں لکھی گئی کہ جس وقت اردو میں سوانح عمری کے اصول و نقوش پوری طرح واضح نہ ہوسکے اور خود الطاف حسین حالی اور ان کے ساتھ ہی کچھ عرصے بعد مولانا شبلی نعمانی اردو میں سوانح عمری کو باقاعدہ متعارف کروا رہے تھے۔ یوں تو الطاف حسین حالی اس سے پہلے ''حیاتِ

سعدی'' اور ''یادگارِ غالب'' تحریر کر چکے تھے مگر ''حیاتِ جاوید'' اس لیے بھی اہمیت کے حامل رہی کہ ایک ایسے شخص کی سوانح عمری تھی کہ جس کی حیات انیسویں صدی کے ۸۰ سال پر محیط ہے یہ وہ عرصہ تھا جب ہندوستانی مسلمان سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے انتہائی زبوں حالی کا شکار تھے۔ اور انھیں ایک ایسی قیادت کی ضرورت تھی جو حالات اور مخالفت اور خود مسلمانوں کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے ایسی متوازن جدوجہد کریں جو ہندوستان میں مشکلات کے باوجود سیدھی راہ کامیابی کی طرف لے جانے کا تعین کر سکے اور یہ کوشش سرسید کے حصے میں آئی جس کی وجہ سے انھیں بیشتر جگہ تنقید کا سامنا بھی تھا۔ان مباحث کو سمیٹتے ہوئے الطاف فاطمہ لکھتی ہیں :

> ''حیاتِ جاوید'' صرف سرسید احمد خان کی سیرت اس کے حالات اور کارناموں کا بیان نہیں بلکہ ایک اعتبار سے مسلمان کے ایک صدی کے تمدن کی تاریخ ہے۔ (۳)

سرسید کی سوانح عمری لکھنا گو کہ آسان نہ تھا مگر یہاں یہ بات اہم ہے کہ ایک ایسا شخص جو انتہائی منجدھار سے ناؤ کو بڑی کامیابی سے لے کر ساحل کے قریب تک پہنچے، اس شخص کی نشونما جس میں ذہنی اور جسمانی علمی اور سیاسی، قائدانہ اور مجاہدانہ شخصیت کو پروان چڑھانے میں کون سے عوامل کارفرما ہوں گے جس سے ہندوستانی قوم کو ایسی شخصیت اور قیادت ملی۔ اس سلسلے میں ہمارے نزدیک یہ بات اہم ہے کہ سرسید کو پیدائش سے لے کر عمر کے اواخر تک ایسے کون سی شخصیت کی قربت حاصل رہی ہوگی جس سے ان کی تربیت اور ذہنی نشونما اور بعد میں فیصلہ سازی میں زبردست معاونت رہی۔ لہٰذا ڈاکٹر ممتاز فاخرہ حالی کے فن کا تعین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> مغربی طریقہ سوانح نگاری کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیرونی حیات اور شخصیت کی تعمیر میں خاندان، معاشرت، ماحول، ماں کی تربیت وغیرہ کے علاوہ دوسرے اثرات کا بھی پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ (۴)

اس سلسلے میں حیات جاوید ایک ایسی سوانح عمری ہے جو دیگر متعلقین کے خاکوں یا خاکہ آمیز معلومات سے بھری پڑی ہے۔ الطاف حسین حالی کی سوانح عمریوں پر توجہ ہو یا ''مقدمۂ شعر و شاعری'' اس کا بھی سہرا خود اس قدر سرسید احمد خان کے سر جاتا ہے جس کا اعتراف الطاف حسین حالی خود بھی کرتے نظر آتے ہیں۔علی گڑھ تحریک کے تحت ادب میں انیسویں صدی کے آخر میں جو بھی کام ہوئے الطاف حسین حالی، شبلی، محمد حسین آزاد کا کردار ان میں بہت اہم ہے۔ لہٰذا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ:

> اردو میں علی گڑھ کی ادبی تحریک کے تحت جب اردو میں سوانح نگاری اور سیرت نگاری میں مولانا حالی نے قدم رکھا ان کی کتاب ''یادگارِ غالب'' اور ''حیاتِ جاوید'' سے خاکہ نگاری کے خدوخال واضح ہونا شروع ہوئے۔ (۵)

الطاف حسین حالی نے ''حیاتِ جاوید'' کو ترتیب دینے کے لیے باقاعدہ ۱۸۹۲ء سے علی گڑھ میں قیام کیا اور سرسید کی زندگی تک پہنچنے کے لیے تمام مآخذات بروئے کار لائے اس مقصد کے لیے الطاف حسین حالی کم و بیش سرسید کے ساتھ تیس سے چالیس برس بالواسطہ یا بلاواسطہ رہے سرسید کو زندگی کو سمجھنے اور پیش کرنے کے لیے حالی نے ضروری سمجھا کہ سرسید صاحب کے خاندانی پس منظر سے آغاز کیا جائے اس مقصد کے لیے انھوں نے نھیال اور دھیال، ان کے مشاغل اور کاروبار، گھرانہ، تعلیم، یہاں تک کہ نجی زندگی کے کسی پہلو کو بھی دانستہ نظر انداز نہیں کیا۔

مولانا نے سید صاحب کے والد میر متقی کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ ان کی عادات، مشاغل، خوبیوں اور کاروبار کو پیش کرتے ہوئے ان کی رہائش جو اٹھارویں صدی کے دلی کے حملوں میں متاثر ہوئی تھی۔ اس طرح کیا ہے کہ اگر اسے سرسید کے والد کا مکمل خاکہ نہ بھی کہا جائے تو خاکہ بھر معلومات بہرکیف مل جاتی ہیں۔ میر متقی کے آبائی سلسلے میں میر قطبی کے سوا جو مجذوب ہو گئے تھے اور جن کے لوگ بہت معتقد تھے اور کوئی باقی نہیں رہا تھا اور ان کی نھیال خواجہ میر درد کے خاندان سے علاقہ رکھتی تھی۔ اس زمانے میں شرفائے دہلی تیراکی اور تیر اندازی کو ایک جوہر شرافت جانتے تھے میر متقی کو ان دونوں فنون میں کمال حاصل تھا۔ اکثر مرشدزادے اور شریف زادے ان دونوں فنون میں ان کے شاگرد تھے۔ میر متقی اپنی زندگی نہایت آزادی اور بے فکری سے بسر کرتے تھے۔ جس کا اثر سرسید اور ان کی اولاد میں موجود تھا۔ حالی کے مطابق:

> میر متقی بھی والد کے انتقال کے بعد خواجہ فرید الدین احمد سے نہایت ادب کے ساتھ ملتے تھے... میر متقی کو مرزا الشمس الدین سے بھی نہایت خلوص تھا اور وہ ان کے ہاں برابر آتے جاتے تھے۔ چونکہ میر متقی کی راجا سوہن لال سے موافقت نہ تھی اس لیے انھوں نے دربار کا جانا بہت کم کر دیا تھا۔ (۶)

مذکورہ بالا خاکے سے پتہ چلتا ہے کہ سرسید کو عزت و احترام اور دوسروں سے شفقت کرنے کا جذبہ والد سے ورثے میں ملا تھا۔ والد کی طرح سرسید بھی ایک وفادار انسان تھے یہی وجہ ہے کہ زندگی بھر انھوں نے ایک طرف تو ان کو آڑے نہ آنے دیا اور دوسری جانب وفاداری کا خیال کرتے ہوئے بھی ہندوستانیوں کے حقوق کے لیے کسی حد تک بھی جانے سے گریز نہ کیا۔ اسی طرح مولانا حالی نے سرسید کے نانا کا ذکر کرتے ہوئے بھی تفصیل سے ان کی حیات کو ''حیاتِ جاوید'' میں اس انداز سے پیش کیا کہ سرسید کی ابتدائی زندگی بالواسطہ یا بلاواسطہ نانا کے زیرِ اثر رہی اور وہی اثرات قبول کرتے ہوئے سرسید کی نشونما کے زینے طے ہوئے یہی وجہ ہے کہ مولانا حالی نے ''حیاتِ جاوید'' کو ترتیب دیتے وقت ان کی پیدائش سے رحلت تک عملی زندگی کے علاوہ خاندانی زندگی میں بھی متعلقین کے خاکے اس انداز سے پیش کیے کہ جس سے سرسید کی زندگی مکمل طور سے صراحت کے ساتھ تمام پہلوؤں کو سمیٹتے ہوئے نظر آئے۔ الطاف فاطمہ

کے الفاظ میں:

> مولانا صاحب نے سرسید کے خاندانی حالات سے لے کر ان کی رحلت تک کے واقعات کو بڑی ترتیب اور خوبی سے پیش کیا ہے سید صاحب کے بچپن کے حالات خاندانی طور و طریق اور عام شرفائے دہلی کے رسم و رواج بڑی سلاست اور پاکیزگی سے بیان کیے ہیں۔(۷)

سرسید نے ایک ایسے وقت میں آنکھ کھولی کہ جب مغل حکومت آخری کروٹیں لے رہی تھی یوں تو ابھی اس کا آخری سانسیں لینا باقی تھا لیکن جو عروج مغلوں کے دور میں ہندوستان میں دیکھا تھا۔ اس کے بعض نقوش تو ملتے تھے۔ مگر اب استحکام باقی نہ رہا تھا ہندوستان سازشوں کی لپیٹ میں تھا۔ شاہی قلعے میں مخالفتیں جنم لے رہی تھیں اور حاسدین کو منصوبہ بندیوں کے کھلے بہانے مل رہے تھے۔ ایسے وقت میں سرسید کا ننھیال جو مغل حکومت کے کاروباری معاملات اور کہیں کہیں نظم ونسق کے معاملات میں معاون تھا۔ اب اسے بھی حاسدین کے منفرد رویوں کا سامنا تھا۔ جہاں سرسید نے خود بھی ''سیرتِ فریدیہ'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے وہاں مولانا حالی نے بھی ''سیرتِ فریدیہ'' سے معلومات اخذ کر کے اور بعض دوسرے ذرائع بھی استعمال کر کے سرسید کے نانا کا مفصل خاکہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد جو خواجہ محمد یوسف ہمدانی کی اولاد میں ہیں ان کے دادا خواجہ عبدالعزیز بعنوان تجارت دلی میں آئے تھے۔ دوسرے سرسید کے حقیقی نانا دبیرالملک امین خواجہ فریدالدین احمد خان بہادر مصلح جنگ جو اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بااقبال لائق اور دانش مند صاحبِ علم وفضل اور خاصکہ ریاضت وحید عصر تھے۔ اس کے بعد گورنمنٹ انگریزی نے خواجہ فرید کو آوا واقع برصحا میں ایک پولیٹیکل معاملے کے طے کرنے کو بطور ایجنٹ کے مقرر کر کے بھیجا۔ انھوں نے ایام وزارت میں اس وجہ سے کہ بادشاہ بہت قرض دار ہوگئے تھے قرضہ ادا کرنے اور آمدنی و خرچ برابر کرنے میں بہت کوشش کی شہزادوں اور بیگمات، اور عملہ شاہی کو تنخواہوں میں سے ۱۰ فیصد تنخواہ کم کردی۔ اس کے سوا دیوان عام کی تانبے کی چھت جو شاہ عالم کے زمانے میں بھاؤ مرہٹہ نے سنہری ملمع کے سبب خالص سونے کی سمجھ کر اکھڑوا ڈالی تھی۔ اور وہ اس وقت سے اکھڑی پڑی تھی۔ اس کا سونا اور اس کا تانبا الگ کر کے جتنا تانبا نکلا اس کے شاہی ٹکسال میں پیسے بنوا ڈالے۔ اور سونا فروخت کردیا... ان کی تدبیروں سے کئی لاکھ روپے کا

قرضہ ادا کیا گیا... اب آمدنی اور خرچ برابر ہوگیا۔ (۸)

سید صاحب کے نانا کے احوال میں ان کی صلاحیتوں کے سبب ان کے حاسدین کی سازشوں کے سبب وزارتوں کو چھوڑنے کا بھی تفصیلی احوال ملتا ہے یہ سب معاملات سرسید بچپن ہی سے گھر اور خاندان کی طرف سے نہ صرف دیکھ رہے تھے بلکہ لاشعور میں محفوظ بھی کرر ہے تھے اور یہی اسباب سرسید کی پختہ خیالی مستقل مزاجی اور اولوالعزمی اور زبردست شخصیت کے بنانے میں معاون رہے۔ سرسید کی والدہ کو سرسید کے والد کے مقابلے میں زیادہ قرب تھا۔ والد حکومت اور کاروباری معاملات کے لیے شہر شہر سے باہر رہا کرتے تھے اولاد کی پرورش اور تربیت براہِ راست والدہ کے سپرد تھی والدہ نے ذمے داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اولاد کی شخصیت سازی میں کوئی ٹیڑھ نہ آنے دیا اس کے لیے سخت سے سخت فیصلے سے بھی گریز نہ کیا:

> سرسید لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں میری عمر ۱۱، ۱۲ برس کی تھی میں نے ایک نوکر کو جو بہت پرانا اور بوڑھا تھا کسی بات پر تھپڑ مارا والدہ کو بھی خبر ہوگئی تھوڑی دیر بعد جب میں گھر میں آیا تو انھوں نے نہایت ناراض ہوکر کہا کہ اس کو گھر سے نکال دو جہاں اس کا جی چاہے چلا جائے۔ (۹)

اس واقعے میں ماں کی ممتا نے کس قدر دل پر پتھر رکھ کر بیٹے کے بنا ۳ دن گزارے اور ۳ دن بعد کھوئے ہوئے بیٹے کو دیکھ کر گلے نہیں لگایا بلکہ انتہائی سختی سے نوکر سے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ اس طرح بچپن ہی سے انا کو ختم کرنے کا سبق دیا اور یہ وصف تمام حیاتِ سرسید کی زندگی میں سبق کی طرح سائے کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مولانا حالی کے لیے بہت مشکل امر تھا کہ ایک ایسے فرد کی حیات بحوالہ سوانح عمری رقم کریں جس کی زندگی کلی طور پر مخالفتوں سے گھری ہوئی تھی۔ کہیں کفر کے فتوے تھے تو کہیں انگریزوں کی پیروی کے الزامات اور کہیں مشرقی تعلیم کے مقابلے میں انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دلانے کے صلے میں انگریزی تہذیب کو ہندوستان میں جگہ دینے کا الزام سرسید کے سر تھا الغرض کہ سرسید کے ساتھ ساتھ خود حالی کو بھی مسلسل تنقید کا سامنا ہوسکتا تھا۔ سرسید کوئی انسانوں سے الگ شخصیت کا نام نہیں تھا۔ انسانوں ہی کے بیچ میں پروان چڑھنے والی شخصیت جس کے مشاغل، عادات، اطوار، خالصتاً ہندوستانی تھے۔ مگر ہندوستانی تہذیب وتعلیم کو نئی روایات کے تحت روشناس کرانا بھی سرسید ہی کے حصے میں آنا تھا۔ بقول سید عبداللہ:

> سرسید احمد خان (جن کی داستان حیات اس کتاب کا موضوع ہے) ایک جامع اور صاف شخص تھے۔ چنانچہ ان پر ''یک سروہزار سودا'' کی ضرب المثل ہر طرح صادق آتی رہی۔ ایک ایسے شخص کی زندگی سرگذشت پر قلم اٹھانا جو اس قدر مصروف ہو اور گونا گوں حیثیتوں کا مالک ہو ایک بڑی ذمے داری کو قبول کرنا ہے۔ یوں تو

سرسید نے یہ فرمایا کہ میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں کوّے اڑائے، کبوتر پالے، ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہوکر، کافر اور بے دین کہلائے، اور رکھا ہی کیا ہے۔ مگرحق یہ ہے کہ ان جامع الفاظ میں انھوں نے اپنے سوانح نگار کے لیے خود ہی اصول کار تجویز کردیا اور ایک لطیف انداز میں یہ اشارہ کیا کہ میری زندگی ایک انسان کی زندگی ہے اس مین وہ باتیں بھی ہیں جو لازم بشریت میں اور وہ بھی جوان کی پختہ عمر کے کارناموں کا خلاصہ ہے۔(۱۰)

لہٰذا مولانا نے سرسید کی بائیوگرافی لکھنے کے لیےسرسید کے تعاقب کے مصداق ہراس ماخذ تک گئے جسے سرسید کی حیات کے متعلق باریک سے باریک پہلو کا بھی پتہ چل سکے انیسویں صدی کے نصف آخر میں حالی سرسید کے قریب آئے ابتداء میں دہلی میں قیام کیا سرسید کی تعلیمی خدمات میں سرسید کے رفیق رہے سرسید کی کاوشوں کے نہ صرف شاہد رہے بلکہ اس کا دفاع بھی کیا اور سرسید کی آخری عمر میں علی گڑھ میں قیام کر کے سرسید کی بقیہ زندگی کو بھی محفوظ کیا:

حالی نے جس طرح سرسید صاحب کو دیکھا اور پرکھا ہے اس کی مثال ''حیاتِ جاوید'' میں ملتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسی طرح سید صاحب کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بڑی سے بڑی بات سے واقف تھے ان کے ہر جذبے اور فعل کو اپنے ذہن ونظر کی روشنی میں دیکھتے تھے۔(۱۱)

اگرچہ مولانا حالی کا طرز نگارش بڑی حدتک سرسید اور اس زمانے کے مغربی رجحان سے متاثر ہے اور ان کی تمام تحریروں میں ایک ہی جذبہ اور مقصد کارفرما ہے یعنی سرسید کے مشن اور خیالات کا ابلاغ۔ مولانا حالی نے زیر بحث سوانح عمری میں سرسید کے خاندان عزیز و اقارب، ملازمین، معاصرین، مخالفین سیاسی و ادبی و مذہبی شخصیات سبھی کے ذریعے سرسید کا سراپا، مرقع، شخصیت وحیات پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا شخصیات کے بیشتر خاکے زیر مطالعہ سوانح عمری میں مل جاتے ہیں:

مولوی عالم علی مرحوم رئیس مراد آباد جو روہیل کھنڈ کے ایک مشہور عالم اور طبیب اور نامور محدث تھے انھوں نے چند یورپین عورتوں اور بچوں کو باغیوں کے ظلم سے بچانے کے لیے اپنے مکان میں چھپا لیا تھا۔(۱۲) مولانا عالم کے خاکے کے ذیل میں ایک بڑی تفصیل مل جاتی ہے جس میں حالی نے مظاہرین کے ہاتھوں مولانا عالم کے گھر میں خواتین اور بچوں کا قتل ہونا اور گھر میں اس افسوسناک واقعے کے غم اور اس کا الزام سازش کی صورت میں مولانا عالم کے سر ہونے کے خوف سے

مولانا کا کسی دوسرے شہر میں گمنام کی زندگی کا تفصیلی احوال دیکھا جاسکتا ہے۔ (۱۳)

مسٹر وارڈ کے مختصر نقوش خاکہ ملتے ہیں جو شخصیت کے خاکے سے زیادہ متعصّبانہ مزاج اور انگریزوں کی مسلمانوں سے مخاصمانہ چشمک کے نقوش کے اعتبار سے خاکہ بھر معلومات ملتی ہیں۔اسی طرح بعض ایسی شخصیات کے تذکروں کے ذیل میں خاکے بھی حالی کے قلم سے نکلتے ہیں جن کا تعلق سرسید کی تعلیمی خدمات میں معاونت یا مخالفت سے بنتا ہے:

> تصویر یا یادگاری عناصر کے غلبے کی تلاش بے سود ہے ان کا مقصد کسی شخصیت کی تصویر کشی یا یادگار قائم کرنا ہوتا ہی نہ تھا وہ تو ان عناصر کو اپنی مقصدیت میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرنے کے لیے ضمناً استعمال کرتے تھے اور یہ ان کا فنی کمال ہے کہ اس ضمن بیان کرنے میں وہ خاصے زندہ اور واضح مرقعے پیش کر گئے ہیں۔ (۱۴)

مولانا حالی نے جس وقت اردو ادب میں سوانح عمری کا آغاز کیا اس وقت تک اردو میں سوانح کے اصول متعین نہیں ہوئے تھے مگر آپ نے خالصتاً مغربی روایت کے زیر اثر سوانح عمری تحریر کی۔''حیاتِ جاوید'' کا موضوع بننے والی شخصیت پر قلم اٹھانا اس لیے بھی بہت مشکل امر تھا کہ یہ ایک ایسے شخص کی سوانح عمری تھی جو ایک طرف ہندوستان کے بیشتر لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھی جن کا صرف بولنا اور لکھنا زبردست ناراضگی کا سبب بن سکتا تھا۔ دوسری طرف ایسے شخص کی زندگی تھی جو مخالفین کی نظر میں کافر بھی تھا، انگریز حکومت کا ایجنٹ بھی تھا اور ملحد بھی۔ جس کے لیے صرف کا سن کا بیان مدلل مداحی اور کتاب المناقب جیسے الفاظ کی دلیل بن سکتا تھا۔ حالی نے یہ سوانح عمری لکھ کر بعد کے آنے والوں کے لیے یہ کہہ کر راہیں ہموار کیں کہ آؤ آگے بڑھو اور ایسے شخص کو اپنے قلم کا موضوع بناؤ جس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر بعد کے آنے والوں کے لیے راہیں متعین کی جاسکیں:

> ''حیاتِ جاوید'' کا تو ہر لمحہ اور ہر واقعہ درحقیقت سمندر کی مضطرب اور طوفانی موجوں کی طرح قومی غفلت کی بے حس چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر غل مچا رہا ہے کہ جاؤ تم بھی ایسے کام کرو۔ (۱۵)

مولانا الطاف حسین حالی گو کہ اردو کے پہلے سوانح نگار سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے نزدیک سوانح کا موضوع بہت واضح تھا۔ انھوں نے خاندان عملی زندگی اور متعلقین سے بہرو کی نسبت ان سب کو اس انداز سے پیش کیا جیسے اردو میں اس سے پہلے ان کے سامنے اردو میں سوانح کی مثالیں موجود ہوں مگر افسوس اردو ادب کو پانچ (۵) سوانح عمریاں دینے والے شخص کا نمونہ ہونے کے باوجود بعد کے سوانح نگاروں نے اردو سوانح عمری کو باقاعدہ صنف کے طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ ثانوی حیثیت میں سوانح عمریاں لکھتے ہوئے آج بھی سوانح عمری کو اسی ڈھب پر اختیار کیا ہوا ہے جہاں مولانا حالی اور مولانا شبلی نے چھوڑا تھا۔

سوانح عمری کسی بھی طرز پر ہو یہ بات طے ہے کہ شخصیت کو ابھارنے کے لیے شخصیت سے متعلق دیگر شخصیات کے خاکے یا ان کی خاکہ بھر معلومات سوانح کے موضوع بننے والی شخصیت کو ابھارنے کے لیے لازمی جزو رکھتی ہے جس کی طرف اشارے بعد میں لکھی جانے والی سوانح عمریوں کے حوالے سے دیگر محققین سے مل جاتے ہیں۔

اسی طرح مختلف النوع کئی خاکے ''حیاتِ جاوید'' میں جا بجا مل جاتے ہیں جو طوالت سے بچنے کے لیے یہاں محض ضمناً تذکرے میں لائے جاسکتے ہیں۔ خاندان کے بیان میں سر سیّد کے نانا کے بھائی شاہ فدا، اسی طرح سر سیّد کے ماموں نواب زین العابدین کی خاکہ بھر معلومات، سر سیّد کے بھائی سیّد محمد خان اور اُن کے دوست حکیم غلام نجف خان کے خاکے کے علاوہ شاہ عبدالعزیز، شاہ غلام علی، مولوی خلیل اللہ، راجا جے کشن داس جو سر سیّد کو ابتداً متعصب سمجھتے تھے، بعد میں غلط فہمی دور ہونے پر قریبی دوستوں میں شمار ہونے لگے۔ ان کے ساتھ ساتھ بعض ایسے واقعات کے ضمن میں ایسے خاکے بھی مل جاتے ہیں جن کا تعلق سر سیّد کی زندگی کی تکالیف سے بھی بنتا ہے مثلاً ایک کلرک جو سر سیّد کے مالی معاملات، اکاؤنٹس وغیرہ کی تفاصیل کا حساب دیکھتا تھا، اس نے سر سیّد کا اعتبار اور مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف طریقوں سے مالی غبن کیا جس کا غم سر سیّد کو موت تک پہنچا گیا۔

حواشی:

(۱) ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ص ۸۷

(۲) ایضاً، ص ۸۹

(۳) الطاف فاطمہ، اردو ادب میں فن سوانح کا ارتقا، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۱ء)، ص ۹۷۔۹۶

(۴) ڈاکٹر ممتاز فاخرہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا، (دہلی: رونق پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۶ء)، ص ۶۴

(۵) محمد ظہیر، احمد بشیر شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۱۰ء)، ص ۸۹

(۶) الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۷ء)، ص ۷۹۔۸۰۔۸۱

(۷) الطاف فاطمہ، محولہ بالا، ص ۱۰۰

(۸) الطاف حسین حالی، محولہ بالا، ص۔۸۱ تا ۸۸

(۹) ایضاً، ص ۹۱

(۱۰) ڈاکٹر سید عبداللہ، محولہ بالا، ص ۹۵

(۱۱) الطاف فاطمہ، محولہ بالا، ص ۹۷

(۱۲) الطاف حسین حالی، محولہ بالا، ص۔ ۱۴۰۔۱۴۱

(۱۳) الطاف فاطمہ، محولہ بالا، ص ۱۰۴

(۱۴) ایضاً، ص ۸۴

مآخذ:

۱۔ حالی، الطاف حسین، حیاتِ جاوید، (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۷ء)، ص۔۷۹۔۸۰۔۸۱

۲۔ ظہیر، محمد، احمد بشیر شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۱۰ء)، ص۸۹

۳۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ص۸۷

۴۔ فاخرہ، ڈاکٹر ممتاز، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا، (دہلی: رونق پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۶ء)، ص ۶۴

۵۔ فاطمہ، الطاف، اردو ادب میں فن سوانح کا ارتقا، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۱ء)، ص۹۷۔۹۶